

کے رسول ﷺ کی سنت سے متصادم ہو، اس کو راستے سے ہٹا دینا اسلامی معاشرہ کے قیام و بقا کے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بین الاقوامی تقاضے اس اصول سے بالاتر نہیں ہو سکتے۔ بیشتر بین الاقوامی تقاضے اسلامی حدود کے اندر رہ کر پورے کئے جاسکتے ہیں۔ تاہم اگر کچھ تقاضے ایسے ہوں جنہیں شریعت کے تابع نہ رکھا جاسکتا ہو تو ان سے مکمل گریز کی ضرورت ہوگی۔ بہر صورت بین الاقوامی تقاضے اسلامی معاشرہ کے قیام کو ناممکن نہیں بنا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ناگوار صورت حال یہ ہو سکتی ہے کہ ہمیں ملک کو ایک (Closed Economy) کے طور پر چلانا پڑے۔ یہ ایک چیلنج ہوگا، لیکن یہ ایسا چیلنج نہیں جسے اسلامی معاشرہ قبول نہ کر سکے۔ آج کل بھی چین اور روس کی معیشت بہت حد تک (Closed Economy) کے طور پر چلائی جا رہی ہے۔ یہ کوئی انہونی صورت حال نہیں ہوگی بلکہ جب تک دنیا اسلامی معاشرہ کی خصوصیات سے پوری طرح واقف نہیں ہو جاتی، یہ طریق کار ناگزیر ہوگا۔ جب کسی معاشرہ کی بنیاد مروجہ روش سے ہٹ کر رکھی جائے تو علیحدگی ایک ضروری تقاضا ہو جاتی ہے۔ چین اور روس نے اپنے معاشرہ کو ایک نئی روش پر چلانے کے لئے علیحدگی اختیار کی۔ اگر اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے (Closed Economy) کا طریق کار اختیار کرنا پڑے تو گھبرانے اور سراسیمہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ نئی بات ہوگی۔ کسی قوم اور حکومت کا عزم مصمم ہو تو اسلامی معاشرہ کا قیام ممکن ہے اور اس کو کامیابی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔ اگر بین الاقوامی مسائل کا جائزہ اس نظریہ سے لیا جائے تو ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ یا غیر سودی نظام کے قیام میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی۔ تاہم ان مسائل کا جائزہ لینا ضروری ہے جو بین الاقوامی سطح پر پیدا ہو سکتے ہیں :

بین الاقوامی مسائل

بین الاقوامی سطح پر جو مسائل پیش آئیں گے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(i) غیر ملکی قرضہ جات اور امداد

(ii) غیر ملکی سرمایہ کاری

(iii) برآمدی اور درآمدی تجارت

(iv) زرمبادلہ کا لین دین

(v) عالمی بینک اور اس کے متعلقہ اداروں سے کاروبار

اسلامی حکومت صرف بلا سود غیر ملکی قرضہ جات ہی منظور کرے گی۔ قرض کی مقررہ مدت کے بعد واپسی کی ضمانت دی جائے گی۔ جو ممالک اس شرط پر قرض دینا چاہیں گے ان سے قرض بوقت ضرورت قبول کیا جائے گا، ورنہ اسلامی حکومت اس قسم کے قرض کے بغیر گزارا کرے گی۔ اس وقت

رائے عامہ (Public Opinion) کا رجحان اس طرف ہے کہ بیرونی قرضہ جات نہ لئے جائیں اور ترقی ملک کے اندرونی وسائل کی مدد سے کی جائے۔ لہذا اگر بیرونی قرضہ جات سے کسی وقت ہمیں احتراز کرنا پڑے تو یہ کوئی اچھا نہیں ہوگا۔^(۱) لیکن قیاس یہی ہے کہ بلا سود قرضہ جات بین الاقوامی سطح پر مہیا ہوتے رہیں گے۔ آج کل بھی اس قسم کے قرضہ جات دیئے جا رہے ہیں۔ چین نے اور دوسرے ممالک نے پاکستان کو بلا سود قرضہ جات فراہم کئے ہیں۔ یہی صورت امداد کی بھی ہے، چنانچہ غیر سودی نظام میں بیرونی قرضہ جات اور امداد کوئی ایسی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتے جس سے ملک کی معیشت زیادہ متاثر ہو۔ معیشت کی تشکیل بغیر بیرونی قرضہ جات اور امداد کے بھی ممکن ہے۔

غیر ملکی سرمایہ کاری (Foreign Investment) پر بھی سود کی عدم موجودگی سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سرمایہ دار دراصل نفع کا محتاج ہے نہ کہ سود کا۔ چنانچہ سرمایہ دار کو اگر نفع کی امید ہو تو ضرور اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ بیرونی سرمایہ ہمارے تجویز کردہ نظام میں شراکت اور مضاربیت کے اصولوں کے تحت قابل قبول ہوگا۔ مساوی سرمایہ کاری (Equity Participation) اور شراکت یعنی (Joint Venture) کے تحت بیرونی سرمایہ فراہم کیا جاسکے گا۔ اگر ملکی صنعتوں اور کاروبار میں نفع موجود ہے تو سرمایہ کی فراہمی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔

برآمدی اور درآمدی تجارت میں موجودہ طریق کار، جس میں ہنڈیوں کو سود کے مطابق بھنایا (Discount) جاتا ہے، ترک کرنا پڑے گا۔ اس کی صورت بھی وہی ہوگی جو اندرون ملک ہنڈیوں کے متعلق تجویز کی گئی ہے، یعنی ایک تاجر جس نے مال برآمد کیا ہے۔ وہ ہنڈی مرکزی بینک کو پیش کر کے اس کی مکمل رقم (Face Value) لینے کا مجاز ہوگا۔ مرکزی بینک کی طرف سے یہ رقم بلا سود قرض تصور کی جائے گی۔ اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مال برآمد کرنے والا تاجر ہنڈی کی مکمل رقم (Face Value) بطور مضاربیت کے بینک سے حاصل کرے۔ اس صورت میں تاجر کو ایک طے شدہ نسبت سے نفع میں بینک کو شامل کرنا پڑے گا اور یہ لین دین مضاربیت کے اصولوں کے تحت سرانجام دیا جائے گا۔ ان دونوں طریقوں سے بیرونی تجارت کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں۔

زیر مبادلہ کا لین دین ایک فیس یعنی سروس چارج (Service Charge) کے مترادف ہے۔ مرکزی بینک، زیر مبادلہ ایک فیس کے عوض مہیا کرتا ہے چونکہ اس میں سود کا عنصر شامل نہیں ہے۔ اس لئے یہ موجودہ طریقہ پر جاری رہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ زیر مبادلہ کی اگر کوئی مشکلات ہوں تو مال کے بدلے مال کی تجارت یعنی (Barter System) سے کام لیا جاسکتا ہے۔

آج کل بین الاقوامی سطح پر عالمی بینک اور اس کے ادارے کام کر رہے ہیں۔ بیشتر ممالک، عالمی

(۶) ایک اسلامی مملکت کے لئے دوسرے ممالک یا غیر مسلم اقوام سے کاروباری لین دین میں قرض پر سود کو استوار کرنے کی بجائے اشیاء اور خدمات کے تبادلے کی شکل اختیار کرنا چاہئے جسے ہم معاشی زبان میں بارٹر سسٹم کہتے ہیں۔ (محدث)

بنک کے ممبر ہیں۔ جس کے تحت انہیں اپنا کھاتہ عالمی بنک میں کھولنا پڑتا ہے اور بوقت ضرورت بنک سے قرضہ جات حاصل کئے جاتے ہیں۔ عالمی بنک اور اس سے وابستہ اداروں سے قرضہ جات کی صورت بھی یہ ہوگی کہ اسلامی حکومت ان کو مضاربیت پر قبول کرے گی۔ اور بجائے سود کے عالمی بنک کو نفع میں شامل کرے گی۔ چونکہ حکومت خود کو کوئی سود وصول نہیں کرے گی اس لئے بلا سود قرضہ کی بھی متوقع ہوگی۔ اگرچہ آغاز میں مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے لیکن اسلامی معاشرہ کی روش سے پوری آگاہی کے بعد، کوئی نا ممکن بات نہیں کہ عالمی سطح پر بھی سود سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تحریک وجود میں آجائے۔ اگر عالمی بنک اور دنیا کو اسلامی معاشرہ کے سمجھنے میں وقت ہو تو اسلامی حکومت عالمی بنک کی ممبر شپ سے دستبردار بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی کوئی عجیب بات نہیں ہوگی، چین اور روس عالمی بنک کی رکنیت کے بغیر اپنے اپنے طریقے سے ملک کی ترقی میں لگے ہوئے ہیں۔

بلا سود نظام بنکاری ممکن ہے !!

مندرجہ بالا بحث سے ظاہر ہے کہ بلا سود بینکاری نظام کا اسلامی معاشرہ میں چلانا بالکل ممکن ہے۔ یہ نظام جدید معیشت کے تمام تقاضوں کو کا محققہ پورا کر سکتا ہے۔ مالیاتی پالیسیاں (Fiscal Policies) اور حکومت کا مالیاتی نظام (Public Finance) بلا سودی نظام میں بخوبی چلایا جاسکتا ہے۔ بیشتر بین الاقوامی تقاضے بھی اسلامی حدود کے اندر رہ کر پورے ہو سکتے ہیں، ورنہ اسلامی معاشرہ اس وقت تک (Closed Economy) کے طور پر چلایا جاسکتا ہے جب تک کہ بیرونی دنیا اسلام کے منصفانہ اصولوں سے ہم آہنگ نہیں ہو جاتی۔ ☆☆



سود کھانا یا اس کے مقابلہ کو لکھنا، اس پر گواہ جتنا بہت شکیں کتنا ہیں!

حضرت جابرؓ سے روایت ہے: لعن رسول اللہ اکل الربوا وموكله وکاتبه وشاهديه وقال هم سواء (مکرم) ”نبی اکرم ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے، اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب لوگ (گناہ) میں برابر کے شریک ہیں۔“

☆ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: الربوا سبعون جزءا ایسرھا أن ینکح الرجل أمه (سنن ابن ماجہ)

”سود کے اگر ستر حصے کئے جائیں تو اس کا اکثر حصہ بھی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے“

بکھرے بکھرے خیال !

’محمد‘ کے ’مود نمبر‘ کے لئے جن اہل علم اور اربابِ نظر کو مختلف موضوعات پر لکھنے کی دعوت دی گئی، ان میں ایک موقر نام محترم نعیم صدیقی کا بھی شامل تھا۔ محترم نعیم صاحب ان دنوں جن عوارض سے دوچار ہیں اور ان کی صحت جس شدید تھکات کا شکار ہے، اس میں وہ کوئی جامع اور مبسوط مضمون تو نہیں لکھ پائے مگر انہوں نے معاشی زندگی اور معاشی ترقی کے عنوان سے کچھ منتشر خیالات اور ارقی پریشان کی نذر کئے ہیں۔ ادارہ اس تحریر کو ان کے تہرک کے طور پر شائع کر رہا ہے۔ (مدیر)

میں ایک دوست سے ملنے ہوٹل میں جاتا ہوں، ملاقات ہوتی ہے، دوست دعوت دیتا ہے کہ کچھ کھانے میں حصہ لو، حلیم ہے۔ اس ہوٹل کی پڈنگ بڑی نفیس ہوتی ہے۔ چکن سوپ، کیا کہنے ایک دفعہ حلق سے اتار لو تو دس سال زندگی بڑھ جاتی ہے، فلاں چیز، فلاں چیز۔ جیسے ویٹر گاہک کی جیب کاٹنے کے لئے زور لگا رہا ہو۔ پاس کے میز سے ایک صاحب کھانا کھا کر اٹھے۔ بل طلب کیا، ۸۰ روپے کا تھا، ۲۰ روپے بیرے پر قربان۔ میں نے سوچا ۱۵، ۲۰ روپے میں معقول کھانا کھایا جاسکتا تھا، ہوٹل میں نہ سہی کسی چھوٹے سے طعام خانے میں سہی، مگر بڑائی کے نشے کا کیا علاج؟ کاش یہ شخص سوچ سکتا کہ اس نے کم سے کم تین سو پچاس روپے اس قوم کے غریبوں کے کھائے ہیں۔ اور کم سے کم سو غریب آدمی اس وقت دال روٹی کو ترس رہے ہوں گے، کچھ بھیک مانگ لیں گے، کچھ بھیک کے نشے میں دھت رہیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جب لوگ بھوک میں بھی مزے کرتے ہیں تو ان کی خوراک کی فکر میں جسم گھلا گھلا کر اپنا وزن گھٹانا کہاں کی عقل مندی ہے..... ایک فلسفہ شکم سیراں و ایواں نشیناں یہ بھی ہے !

کوئی محترمہ بیوٹی ہاؤس سے حسن کی لیاپا پوتی کر کے نکلتی ہیں تو میں کہتا ہوں کہ یہ ڈیڑھ صد روپے اور دوسرے الٹے تلے ملا کر صاحب کو دو چار ہزار روپے ماہانہ رشوت تو لینی پڑتی ہوگی۔ مجبوری، بے بسی، آدمی قابلِ رحم ہے!!..... ایک صاحب لمبی چوڑی کار لئے گزرتے ہیں اور خدا کا شکر کہ میرا پاؤں اس خاموش جہاز کی زد سے بچ جاتا ہے۔ سوچتا ہوں کہ یہ انکم ٹیکس افسر اعلیٰ کی کار جس کو ایک نشان سے میں پہچانتا ہوں، میرے ٹیلی فون اور بجلی کے بل میں اور غریبوں کی دال روٹی کے خرچ میں کتنے ٹیکس کا اضافہ کرتی ہے۔ اصل میں جدید تصوری اقتصادیات اور فنانس کی یہ ہے کہ غریب لوگ وہ کنڈنسر ہوتے ہیں جو ہر قسم کے ٹیکس اور سرچارج اور جرمانوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ لہذا غریبوں کو

غریب رکھنا اور ان کی تعداد بڑھانا بہت ضروری ہے۔

ابھی آپ نے حکومت اور تاجروں کے معاہدہ متعلقہ سیلز ٹیکس وغیرہ کو دیکھا۔ کس خوبصورتی سے حکومت اور تاجروں نے بالاتفاق ساری بلاغریبوں پر ڈال دی ہے اور آپس میں چھپیاں مل رہے ہیں۔ اہل مال اور عوام کا حال ہاتھیوں کے جھنڈ اور چیونٹیوں کی قطاروں کا ہے۔ کس ہاتھی کا ایک پاؤں بہ ایک جنبش ایک ہزار چیونٹی کو ”اناللہ“ کر سکتا ہے۔ مگر ہزار چیونٹی ملکر بھی ہاتھی کے پاؤں میں کھجلی بھی پیدا نہیں کر سکتی۔ پس چیونٹیاں چیونٹیاں ہیں اور ہاتھی ہاتھی۔ نظریہ ارتقاء بھی نہ تو چیونٹیوں کو ہاتھی بنا سکتا ہے اور نہ ہاتھیوں کو چیونٹی۔

یہ پہلا فقرہ ہوا جس سے اہل نظر کی توجہ ذرا سی مسئلہ سود کی طرف جائے گی، اب دوسرا فقرہ سنئے! بڑے بڑے دماغ ان دنوں معاشی مسئلے پر لگے ہیں، مگر اپروچ سب کی ایک ہی کلاسیکل اپروچ ہے۔ فلاں پیداوار بڑھاؤ، صنعت میں اضافہ کرو، برآمد میں ترقی کرو، منڈیاں تلاش کرو، جن کے ایک ایک شعبے میں ہم چیونٹیوں کو ہاتھیوں کا مقابلہ درپیش ہے۔ گویا منڈیاں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔ جہاں موقع ملے، ہاتھ مار لو، کبھی یہ بھی سوچنا کہ بھاری سود پر سرمایہ لا کر آپ مقابلہ کیسے کریں گے؟ اور سستی لیبر جو ہمارا بڑا میزائل تھی، وہ اب کہاں میسر؟..... قرضے دینے والے بجلی، پٹرول، موئل آئل گندم، گھی، صابن ہر چیز پر تو اپنے سود کے رذے چڑھا رہے ہیں جن کے لئے ہمارے ہاں ٹیکس کارائج العام لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کیا کاؤ گے؟ سستا مال کیسے بنے گا؟ اچھی کوالٹی کے سستے مال سے مقابلہ کیسے ہوگا؟ ہم تو دیر غمی قوم ہیں جو اپنی کمائی (یا بجٹ کا ایک حصہ) تو پہلے اپنے محسن سا ہو کاروں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ سا ہو کار نہ ہوں تو ہماری نوابی کیسے چلے اور مالیات اور معاشیات کی خانہ خرابی کا سلسلہ کیسے جاری رہے اور اپوزیشن کا کام کیسے بنے؟ اپوزیشن کو اس موضوع سے دلچسپی نہیں ہوتی کہ وہ مسئلہ حل کرنے میں قوتیں صرف کرے۔ وہ مسئلوں کو ڈولیدہ پا کر خصوصاً معاشی الجھن پر خوب خوش ہوتی اور یہ نہیں کہتی کہ ہم کم سے کم پارلیمنٹ میں، اخباروں میں، پمفلٹوں میں اس بس کی گانٹھ کا ایسا حل پیش کریں گے کہ پھر معاشی بد حالی کی خبریں کبھی دوبارہ پھوٹ ہی نہ سکیں گی۔ بلکہ اپوزیشن کا نعرہ ایک ہی ہوگا کہ ”کرسی الٹی ہے، اقتدار کا تاج چھیننا ہے۔ صاف لفظوں میں یک نکاتی ایجنڈا یہ ہے جس سے ملک بہشت بن جائے گا کہ نواز شریف کو گدی سے اتارنے کا مزہ لینا ہے۔“

اچھا اتار دیا..... اب لاؤ! کون سے بزرگمہر کو لاتے ہو؟ شاید محترم پیر پگازا کے تعویذوں

☆ واضح رہے کہ ہماری نواز شریف سے رشتہ داری ہے، نہ میل جول، نہ خط و کتابت..... اور نہ کسی اور وزیر اعظم بننے والے لیڈر سے حمایت یا مخالفت کا تعلق ہے..... شاطر جانیں اور ان کی شطرنج کے مہرے، ہم درویشوں کو کیا !!

بکھرے بکھرے خیال!

تبسچوں اور شب بیداریوں اور تیز کے شکاروں کے ذریعے قبضہ مل جائے مع ”قصہ کوئٹہ گشت دونہ ورد سر بسیار بود“ ہمارے دلفریب نوجوان عمران خان پر نظر ہے؟ کیا نواب زادہ نصر اللہ خاں کے حق کی گڑگڑ اور ٹوٹی کا پھندا مطلب پورا کر دے گا۔ آپ کے سابق صدر بھی ہیں۔ حضرت مولانا طاہر بھی ہیں، اور اس صف میں اگر قاضی حسین احمد صاحب کو کھڑا کیا جائے تو ساری صف نور علی نور ہو جائے گی اور ابھی تو بے نظیر اور ان کے شوہر نامدار رہتے ہیں۔ پھر دلی خان ہیں، الطاف حسین جناح پور کے ہونے والے بادشاہ ہیں۔ کسی کو بلوچستان سے بھی دیکھ لیجئے..... مع اس خانہ تمام آفتاب است!

مگر پیارے پاکستانو! اپنے جادو طراز نقادوں سے ذرا کسی کوئے میں بڑے سکون سے پوچھو کہ اگر آنے والا نباش اڈل کے بعد نباش ثانی ثابت ہوا تو ہم کدھر جائیں گے۔ یہ سب امریکہ کے فدا کی اور کلکٹن کے مرید ہیں، ایک بھی سرکش نہیں۔ ان سے ہمیں کیا ملے گا؟

پیارے پاکستانو! ہم ذرا ایک کر بھنگڑ خانہ سیاست کی طرف چلے گئے، یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ بس ماحول میں اس سے اتنی آلودگی ہے کہ سانس لیتے ہیں تو زہر اندر چلا جاتا ہے۔ خیر چھوڑیے، زہر کھانا، زہر پینا، زہر میں سانس لینا اور ”زہر سننا“ تو ہمارا فہم شریف ہے کہ کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس نامر او سیاست نے ہم سے ہمارا اصل موضوع چھڑا دیا۔

دیکھئے! میں ایک نئے طرز سے معاشی مصیبت کا تجزیہ کرنے لگا ہوں اور ایک نیا حل پیش کرنے لگا ہوں..... معاشی مالی حالات کا تجزیہ نہایت ہی سادہ ہے، لمبے چوڑے اعداد و شمار اور ورق گردانیوں کی ضرورت نہیں۔ صرف ۲ چیزیں جانی چاہئیں۔ ایک آپ کا معیار زندگی کیا ہے؟ دوسرے صنعتی و زرعی پیداوار کتنی ہے؟ اور دونوں میں کتنا فرق ہے؟

میرا اندازہ ہے، میں ریسرچ کرنے کے لئے وقت اور قوت نہیں رکھتا اور نہ کوئی معاون نوجوان مجھے اتنی مدد دینے کے لئے بھی میسر ہے کہ ”بھئی فلاں الماری سے ذرا فلاں کتاب یا فلاں اٹھادو.....“ ورنہ اگر دو تین نوجوانوں کا جزوقتی تعاون بھی مجھے حاصل ہوتا تو میں اعداد و شمار کی جمعیتیں کھڑی کر دیتا۔ مگر معذرت کہ ”چند کندبے نوا ہمیں دارد“ میں اتنے ہی کام کو بڑا کام سمجھتا ہوں کہ خیالات اور نظریات کے بعض بیج مستقبل کی فکری کھیتیوں میں بکھیر رہا ہوں۔

شاید میرا یہ خیال زیادہ غلط نہ ہو کہ ہمارا معیار زندگی اتنی اونچائی پر ہے کہ ہماری آئندہ دس سال تک کی پیداواریں آج سے زیادہ نیچے رہ جائیں گی، کیونکہ معیار زندگی تیزی سے اوپر کو اٹھ رہا ہے۔ اس کی رفتار اکیسویں صدی کی رفتار ہے اور ہماری پیداواری کوششوں کی رفتار شدید بارہویں صدی سے آگے نہیں بڑھ رہی۔

مثلاً الجبراکے اصول پر میں فرض کرتا ہوں کہ ہمارا خطہ معیار زندگی ۵۰ پر ہے اور پیداواری

ماحصل فقط ۱۰۰ روپے، غرض دونوں میں ۴۰ کا فرق ہے۔

آپ نے معاشی پیداواری مساعی کو بڑھانے کے لئے قرض لیا، ۲۵۰ ملین ڈالر اس کا سالانہ سود۔ اب آپ سود کی وجہ سے عوامی ضروریات پر ٹیکس بھی لگائیں گے۔ خوراک، پوشاک، کرایہ مکان، بجلی، پانی، سوئی گیس، دوا، معالجہ، سفر خرچ، تعلیمی مصارف برائے نئی نسل۔ ان ساری چیزوں پر ٹیکس کے بھوت کا سایہ پڑ گیا۔ تمام خدمات مثلاً غریب آدمی کو تو موچی، ڈھنیے، منجی پڑھی ٹھکانی، کبھی بڑھئی اور مزدور سے مرمت مکان، ان کی اجرتوں میں سود اور ٹیکس شامل۔ لہذا آپ کی مزدوری کاشت کی ہے یا کارخانے کی، یا بار برداری کی، بڑھتی ضرور ہے۔

اب جو پیداوار تیار ہوگی، اس میں یہ چیزیں شامل ہوں گی: رسل و رسائل اور دیگر قومی ضرورتوں کے مصارف (عملہ + اجناس) بڑھیں گے۔ اس کا بھی اضافہ کرنا ہوگا۔ نسل افزائی کی وجہ سے بھی معاشیات پر بار پڑے گا۔ حادثات یا جنگیں یا داخلی سیاسی ہڑبونگ، ہڑتالیں وغیرہ بھی کچھ مصارف میں اضافہ یا آمدنی میں کمی کا باعث ہوں گی۔ ادھر معیار زندگی بڑھتا جائے گا بمقابلہ پیداوار کے نہایت تیزی سے۔ یعنی پہلے معیار اور پیداوار میں اگر ۴۰ کا فرق تھا تو چند برس میں ۵۰ کا ہو جائے گا، پھر ۸۰ اور ۱۰۰ کا ہے۔ پیداواری پیماری کیا کریں گے۔ پیداواروں کا اگر مؤثر نقشہ بنا کر کام کیا جاسکے تو یہ طویل المدت منصوبہ ہے، لیکن اس کیلئے کوئی تیار نہیں بلکہ سب کو تو فوری طور پر نجات چاہئے ☆☆

’محدث‘ ۳۰ برس سے فتنہ انکار حدیث کے خلاف سرگرم عمل ہے، حجت حدیث پر ’محدث‘ کی آواز اور استدلال سب سے قوی ہے!..... حدیث نبویؐ کا خصوصی ذوق اور فی زمانہ اس فن کے ماہرین کی تائید اور علمی تعاون ’محدث‘ کو حاصل ہے.....!! الحمد للہ

سود نمبر کی کامیاب پیشکش کے بعد

روایات کے عین مطابق

..... تاریخ ساز اہمیت کا حامل

ماہنامہ ۲۱ لاہور

کا انکار حدیث نمبر

علوم حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والے اہل علم و دانش اپنی نگارشات علیہ جلد ارسال فرمائیں!

مشہورین حضرات اور اشاعتی ادارے اپنے اعلانات اور اشتہارات کے لئے فوری رابطہ کریں!

فتنہ انکار حدیث کے جدید روپ..... ماضی، حال اور مستقبل..... محدث جلیل علامہ البانی رحمہ اللہ کا ’محدث‘ کو انٹرویو

..... پرویزیت کی عرب ممالک میں فتنہ پردازوں پر رپورٹ..... پرویزیت کے اصولی نظریات پر علمی تعاقب.....

محدث میں انکار حدیث پر چھپنے والے مضامین کی جامع فہرست..... نامور علماء کے منتخب مقالات اور بہت کچھ! (ان شاء اللہ)

یہ سب کچھ کیلئے انکار حدیث نمبر کا ضرور مطالعہ کیجئے جو جلد ہی منظر عام پر آ رہا ہے۔ مزید تفصیلات کیلئے آئندہ شمارہ